جدید پیش آمدہ مسائل زکوۃ کا حالات وزمانہ کی رعایت سے متعلق قواعد فقہیہ کی روشنی میں حل (ایک تحقیقی مطالعہ)

A Research on the Solution of Modern Issues of Zakat in the Light of Legal Maxims Related to the Exemption of Circumstances & Time

Dr. Hafiz Irfanullah
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore:

irfanullah@lgu.edu.pk

Dr. Tahir Masood Qazi
HoD, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore:
drtmqazi@lgu.edu.pk

Abstract

Islam is the name of a beautiful religion that has a perfect system of human welfare. It has a complete curriculum for the successful life of every person. The beauty of Islamic worship is that they are the best source of the pleasure of Allah, after man. Zakat is the best way to eliminate economic inequality and make poor people a dynamic part of society. Its importance can be estimated from the fact that it is one of the five basic pillars of Islam. It has been counted. The reward of the one who pays Zakat is certain: Allah Almighty has declared it a good loan for Him. Due to the importance of Zakat, it is very important to be aware of its rules. It is also obligatory for a person who has the nisab to acquire the necessary knowledge of the problems of Zakat. As time passes, just as human life is affected, the Shariah also makes the rulings suitable for it. Just like the impact on other Shariah issues, in the same way, many issues of Zakat are also affected by the circumstances and times. They used to mention it in their books and present their solutions. In this paper, the contemporary problems will be discussed by reviewing the effects of the circumstances

and times on the problems of Zakat and Istishahad, which will be presented from the books of contemporary jurists.

Keywords: *Zakat, contemporary problems, circumstances and times, Legal Maxims*

اسلام اس خوبصورت دین کا نام ہے جو انسان کی فلاح کا کامل نظام رکھتا ہے۔ اس میں ہر شخص کی کامیاب زندگی کے لیے مکمل نصاب موجود ہے۔ اسلامی عبادات کا یہ حسن ہے کہ وہ جہاں اللہ رب العزت کی رضا کا بہترین ذریعہ ہیں وہیں انسان کی معاشرتی فلاح و بہبود کا باعث بھی بنتی ہیں۔ زکوۃ معاشی ناہمواری کو ختم کرنے اور نادار افراد کو معاشرے کا متحرک حصہ بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے اسلام کے پانچ بنیادی ستونوں میں شمار کیا گیا ہے۔ زکوۃ ادا کرنے والے کا اجر یقینی ہے کہ اللہ تعالی نے اسے اپنے لیے قرض حسنہ قرار دیا ہے۔ زکوۃ کی اسی اہمیت کی بنا پر اس کے احکام سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ جو شخص صاحب نصاب ہو اس کے لیے زکوۃ کے مسائل کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح انسانی زندگی متاثر ہوتی ہے اسی طرح شریعت اس کے لیے احکام بھی موافق بنا دیتی ہے۔ حالات و زمانہ کا اثر جس طرح دیگر شرعی مسائل پر پڑتا ہے اسی طرح زکوۃ کے بہت سے مسائل بھی حالات و زمانہ کے زیر اثر آتے ہیں۔ قرون اولی سے آج تک اہل علم اس اہمیت سے واقف رہے اور حالات و زمانہ کے مطابق مسائل میں آنے والی تبدیلی کو اپنی کتب میں ذکر کر کے اس کا حل پیش کرتے رہے۔ مقالہ ھذا میں زکوۃ کے مسائل میں حالات و زمانہ کی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے عصری مسائل پر بحث کی جائے گی اور معاصر فقہاء کی کتب سے استشہاد پیش کیا جائے گا۔

مصارف زکوۃ اور حالات و زمانہ کی رعایت

قرآن مجید نے مصارف زکوۃ کا بیان کرتے ہوئے آٹھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْم" حَكِيْم (1)

"زکوۃ تو صرف ان کے لیے ہے جو فقیر مسکین اور زکوۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے نیز

---

[1] ۔القران، سورۃ التوبہ 9 : 60

Al.Qurān, :9: 60

گردنوں کو آزاد کرانے اور مقروضوں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالی سب کچھ جاننے والا دانا ہے"۔

ان مصارف میں ایک مصرف مؤلفۃ القلوب کا ہے۔ "اس کی تین صورتیں ہیں (1) کفار کے رئیسوں کو اس غرض سے دینا کہ وہ غریب مسلمانوں کو خود بھی اذیت نہ پہنچائیں اور دوسروں کو بھی اذیت پہنچانے سے روکیں (2) کفار کو اسلام قبول کرنے کی رغبت دلانے کے لیے مالی امداد دینا (3) نو مسلموں کی خاطر داری کے لیے ان کی اعانت کرنا تاکہ وہ پھر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ حضور کریم ﷺ ان تین قسم کے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے بڑی فیاضی سے دیا کرتے تھے"[2]۔ نبی کریم ﷺ کے دور مبارک اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں ایسا ہی چلتا رہا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ دینے سے منع فرمادیا۔ آپ کی رائے کے مطابق انہیں زکوۃ اس وجہ سے دیئے جانے کا حکم دیا گیا تھا کہ اسلام افرادی طور پر کمزور ہے اور ان کے ساتھ مالی تعاون کر کے انہیں اسلام کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے مبارک دور میں جب فتوحات ہوئیں اور اسلام پہلے سے کہیں مضبوط ہو گیا تو آپ نے محسوس کیا دین غالب آچکا ہے اب ہمیں ان کی تالیف قلب کی کوئی حاجت نہیں تو آپ نے غیر مسلم کو زکوۃ دینے سے منع فرمادیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"انما قطعهم عمر لما رأى من اعزاز الدين" ([3])

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دین کا غلبہ دیکھا تو مولفۃ القلوب کو زکوۃ دینے کا حکم ختم کر دیا"۔

چنانچہ ہمارے اسلاف نے اسی پر فتویٰ دیا اور اسی پر عمل کیا جاتا رہا۔ لیکن اہل علم نے یہاں بھی حتمی مؤقف قائم کرنے سے گریز کیا اور لکھا کہ اگر حالات بدل جائیں اور غلبہ اسلام کا زمانہ نہ رہے یا کسی علاقہ میں اہل اسلام اقلیت میں ہوں اور وہاں اسلامی جمیعت میں اضافہ مقصود ہو تو غیر مسلم کو زکوٰۃ دینے کا فتویٰ دیا جائے گا۔ علامہ

---

[2]۔ پیر محمد کرم شاہ الازھری، ضیاء القرآن (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1402ھ) ج2، ص223

Pīr Muhammad Karam Shāh Al-azhari, Zia ul Qurān(Zia ul Qurān Publications, Lahore, 1402 h,) Vol 2 , P 223

[3]۔ محمد بن احمد قرطبی، الجامع لاحکام القرآن (دار الکتاب العربی، 1997ء) ج8، ص188

Muhammad bin Ahmad Qutabi, Aljame li Ahkām il Qurān (Dār ul Kutub Alarbi, 1997) Vol 8, P 188

ابن عربی رقمطراز ہیں:

"وَقَدْ قَطَعَهُمْ عُمَرُ لِمَا رَأَى مِنْ إعْزَازِ الدِّينِ وَاَلَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ إنْ قَوِيَ الْإِسْلَامُ زَالُوا وَإِنْ اُحْتِيجَ إلَيْهِمْ أُعْطُوا سَهْمَهُمْ" [4]

" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دین کا غلبہ دیکھتے ہوئے مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ دینے سے روک دیا۔ لیکن میرے نزدیک اگر اسلام قوی ہو تو انہیں زکوۃ نہ دی جائے اور اگر انہیں زکوۃ دینے کی ضرورت ہو تو ان کا (زکوۃ میں سے) حصہ دیا جائے گا"۔

لہذا حالات وزمانہ کی تبدیلی سے مسائل میں تبدیلی کا خیال رکھا جائے گا۔ جیسا کہ قاعدہ فقہیہ ہے:

لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان زمانے کی تبدیلی کے ساتھ احکام میں تبدیلی کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ سید قطب لکھتے ہیں:

والظاہر جواز التالیف عند الحاجة الیه فاذا کان فی زمن الامام قوم لا یطیقونه الا للدنیا و لا یقدر علی ادخالهم تحت طاعته الا بالقهر و الغلب فله ان یتالفهم [5]

ظاہر یہ ہے کہ حاجت کے وقت ان کی تالیف جائز ہے۔ جب کسی امیر کے ہاں ایسے لوگ ہوں جو دنیا کے لیے اس کی اطاعت کرتے ہوں اور وہ ان کا اپنی اطاعت میں قہر اور غلبہ کے بغیر داخل نہ کر سکے تو ان کی تالیف کر سکتا ہے۔

نصاب کے تقرر میں چاندی کی ترجیح

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے سونے اور چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق بیس مثقال سونا اور دو سو درہم چاندی زکوۃ کا نصاب ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے سات تولے

---

[4] ۔ محمد بن عبد اللہ ابن عربی، احکام القرآن (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2003ء) ج2، ص530

Muhammad bin Abdullah bin Arabi, Ahkām ul Qurān(Dār ul kutub alilmiah, Beirut,2003) Vol 2, P 530

[5] ۔ سید قطب، فقہ السنۃ (پشاور، دار الکتب، س ن) ج1، ص344

Syed Qutub, Fiqh us Sunnah (Dār ul kutub, Peshawer,) Vol 1, P 334

سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو تو اسے صاحب نصاب تصور کیا جائے گا۔ دیگر شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے پاس مذکورہ دونوں چیزوں کے علاوہ مال نصاب تک پہنچتا ہو مثلاً پیسے ہوں یا مال تجارت وغیرہ ہو تو نصاب کے تقرر کے لیے سونے کو معیار بنایا جائے گا یا چاندی کو معیار قرار دیا جائے گا۔ علماء کرام اس مسئلہ میں مختلف فیہ ہیں کچھ لوگ سونے کو معیار قرار دیتے ہیں اور علماء کی زیادہ تعداد چاندی کے مطابق نصاب مقرر کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ فی زمانہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ تاہم چاندی کو معیار قرار دینے والے علماء موجودہ حالات کی بناء پر فقراء کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں اور مصلحت کا تقاضا اسی میں جانتے ہیں کیونکہ اگر سونے کو نصاب مقرر کر دیا جائے تو وہ کئی لاکھ روپے بنتے ہیں اور اس میں فقراء کا نقصان ہے اور قاعدہ ہے کہ:

الضرر یزال کسی شخص کو نقصان پہنچانے سے گریز کیا جائے گا۔

لہذا چاندی کے مطابق نصاب مقرر کیا جائے گا۔ ہمارے مجتہدین فقہاء کی تصریحات بھی یہی تقاضا کرتی ہیں جیسا کہ کتاب الاختیار میں ہے:

عن ابی حنیفة یقومها بما هو انفع للفقراء [6]

یعنی امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ اس کی قیمت اس کے مطابق قائم کی جائے گی جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو۔

وفی الرقاب کی نئی تعبیر

مصارف زکوۃ بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے ان غلاموں کا بھی بیان کیا جنہیں آزادی کے لیے رقم درکار ہو۔ رقم آقا کو ادا کر کے وہ آزاد ہو سکتے ہیں تو زکوۃ کی رقم سے ان کی مدد کرنے کا قرآن نے حکم دیا۔ لیکن دور حاضر میں غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب کہیں ایسے غلام نہیں کہ جن کی آزادی مطلوب ہو اور مصارف زکوۃ کے زمرے میں آتے ہوں۔ تاہم معاصر علماء کرام نے ناجائز مقدمات میں گرفتار ان قیدیوں کو مصرف "فی الرقاب" میں شمار کیا ہے۔ کہ ایسے لوگ جنہیں جھوٹے مقدمات میں پھنسا دیا گیا ہو یا جائز مقدمات میں انہیں تعزیرا جرمانہ کی

---

[6] ۔ عبد اللہ بن محمود موصلی، کتاب الاختیار لتعلیل المختار، (س ن) ج 1، ص 146

Abdullah bin Mosalī, Kitāb ul Ikhtiār li Talīl il Mukhtār, Vol 1, P 146

سزا ہوئی ہو تو ان کی گلو خلاصی یا ضمانت وغیرہ کے لیے زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے اور انہیں جیل سے رہا کروایا جاسکتا ہے۔ان کی ضمانت کے لیے اور مقدمہ کے اخراجات کے لیے زکوۃ کی رقم صرف کرنے کی اجازت دی جانی چاہیے۔جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"ہمارے موجودہ معاشرہ میں غلامی سے ملتی جلتی بلکہ اس سے بھی بدترین بعض شکلیں پائی جاتی ہیں، اور وہ ہیں جیل کی کوٹھریوں میں بند لوگ، ان میں بہت سے وہ مسلمان نوجوان ہیں جن کو بالکل جھوٹے مقدمات میں پھنسایا گیا ہے، ان کے پسماندگان کا تکفل اور مقدمات کی چارہ جوئی میں ان کا تعاون مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، اسی طرح بہت سے مسلمان جرمانے کی معمولی مقدار پانچ دس ہزار ادا نہ کرنے کی وجہ سے جیل کی سلاخوں میں پڑے ہوئے ہیں، ان غریب ومحتاج مسلمان قیدیوں کی زکوٰۃ سے مدد کرنی چاہئے؛ کیوں کہ وہ بھی "رقاب" کے درجہ میں ہیں۔ بلکہ جو لوگ جیل میں وقت گذار کر اور باعزت طور پر رہا ہو کر باہر آتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ بہت سے غیر مسلم بھائی بھی جرمانہ کی تھوڑی سی رقم نہ ادا کرنے کی وجہ سے جیل میں پڑے ہوئے۔۔۔ خلیجی ملکوں میں بھی بہت سے مسلم نوجوان جیلوں میں سڑ رہے ہیں، ان میں اکثر وبیشتر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی میں یا اکسیڈنٹ کی بنیاد پر ہلاکت کی وجہ سے گرفتار ہوئے، جو مسلمان خلیجی ممالک میں کام کر رہے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی خبر گیری کریں اور ان کے مسائل حل کرنے میں فراخ دلی سے کام لیں"۔[7]

فی الحال اگرچہ اس پر علمی قد کاٹھ رکھنے والے علماء کرام کی آرا کا انتظار ہے۔لیکن بہر حال اس پر معاصر علماء کو توجہ دینی چاہیے تاکہ یہ ایک قابل قبول رائے بن سکے۔کیونکہ قاعدہ فقہیہ "المشقة تجلب التيسير" کے مطابق آسانی اس میں ہے نیز زمانہ کی تبدیلی بھی اس کا تقاضا کرتی ہے کہ کسی مصرف زکوۃ کو معطل کرنے کی بجائے اس کا حل پیش کیا جائے؛ کیونکہ قاعدہ فقہ ہے:

لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان زمانے کی تبدیلی کے ساتھ احکام میں تبدیلی کا انکار نہیں کیا

[7] - https://www.madarisweb.com/ur/articles/3951

جاسکتا۔

زکوۃ سے متعلق حیلہ کے مسائل اور قواعد فقہیہ

زکوۃ کے حوالے سے مختلف مسائل میں حیلہ کے جواز یا عدم جواز سے متعلق فقہاء کرام کی تفصیلی ابحاث ملتی ہیں۔ ذیل میں حالات وزمانہ کی رعایت سے متعلق قواعد فقہیہ کی روشنی میں جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

وصولی زکوۃ میں ناظمینِ مدارس کی حیثیت اور حیلہء تملیک

عصر حاضر میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں مدارس کا کردار ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ بہت سے اختلافات کے باوجود کوئی بھی صائب الرائے شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن وحدیث کی تعلیم عام کرنے میں بے سروسامانی کے ہوتے ہوئے بھی جو کردار مدارس دینیہ نے ادا کیا ہے وہ باوجود تمام وسائل کے کالجز اور یونیورسٹیز نہیں کر پائیں۔ اکثر مدارس کی ان تمام کاوشوں کے پیچھے وہ مخیر حضرات ہوتے ہیں جو اپنے زکوۃ وصدقات کی صورت میں مالی تعاون کرتے ہیں جس سے مدارس کا پہیہ رواں رہتا ہے۔ تاہم زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں تملیک کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ کیونکہ زکوۃ کے لیے تملیک شرط ہے اور مہتمم جامعہ کے صاحب نصاب ہونے کی صورت میں اس کا زکوۃ وصول کرنا درست نہیں اور دوسرا یہ بھی ہے کہ وہ زکوۃ مہتمم کو تو نہیں دی جارہی بلکہ وہ تو مدرسہ کے طلبہ کے لیے دی جارہی ہے۔ لہذا یہ ادائیگی کیسے درست ہو سکتی ہے؟ اس کے لیے ہمارے علماء کی ایک کثیر تعداد حیلہ کرتے ہوئے مہتمم کے لیے اخراجاتِ جامعہ میں استعمال کی اجازت دیتی ہے جیسا کہ مفتی نور اللہ نعیمیؒ سے ایک سوال پوچھا گیا کہ "زکوۃ کی ادائیگی کے یے مستحق کے ملک کرنا شرط ہے مگر عموما مدرسہ کی رسید کاٹ دی جاتی ہے اور مدرسہ کے کھاتہ میں رقم جمع ہو جاتی ہے۔ اصل مستحق جو طلبا ہیں ان کے ملک نہیں کی جاتی، اس کی کیا صورت ہے؟"[8]

آپ اس کا جواب دیتے ہوئے۔ لکھتے ہیں:

"واقعی زکوۃ میں تملیک شرط ہے مگر آپ کو یہ کس نے کہا طلباء کے ملک نہیں کی جاتی

---

[8] ۔ محمد نور اللہ نعیمی، فتاویٰ نوریہ (بصیر پور، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، 1414ھ/1994ء)، ج2، ص127

Muhammad Noor Ullah Naīmi, Fatāwa Nooria (Basīrpur, Dārul Uloom Hanfia Farīdia, 1994) Vol 2, P 127

ہے ،بفضلہ و کرمہ تعالیٰ دارالعلوم میں زکوۃ یا کوئی ایسی رقم آئے جس میں تملیک شرط ہے تو وہ مستحق طلباء کے ملک ضرور کی جاتی ہے اور طلباء اپنی رضا سے دارالعلوم کے ملک کر دیتے ہیں پھر وہ رقم دارالعلوم کے کھاتہ میں جمع ہوتی ہے ،اس چیز کی نہایت احتیاط کی جاتی ہے۔ہمارے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں زکوۃ فقیر کے ملک کی جائے اور فقیر اپنی خوشی سے دیدے تو جائز ہے"۔[9]

اسی مؤقف کو پیش نظر رکھتے ہوئے مدارس کے مہتمم اور منتظم حضرات اس طرح حیلہ کرتے ہیں اور مدارس کے جملہ مصارف کا انتظام کرتے ہیں۔مفتی نور اللہ نعیمی اور دیگر اہل فتویٰ کے پیش نظر اصل میں درج ذیل فقہی جزئیہ ہے جسے علامہ ابن نجیم نے زکوۃ کی رقم سے میت کے لیے کفن کی اجازت کے حیلہ کے طور پر ذکر کیا لکھتے ہیں:

وَالْحِيلَةُ فِي التَّكْفِينِ بِهَا التَّصَدُّقُ بِهَا عَلَى فَقِيرٍ ثُمَّ هُوَ يُكَفِّنُ فَيَكُونُ الثَّوَابُ لَهُمَا وَكَذَا فِي تَعْمِيرِ الْمَسَاجِدِ[10]

زکوۃ سے میت کو کفن دینے کا حیلہ یہ ہے کہ اس رقم کو کسی فقیر پر صدقہ کر دے پھر اس میت کو اس سے کفن دی دے تو ان دونوں کو اس کا ثواب ہو گا۔اسی طرح کا حیلہ مسجد کی تعمیر کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن نجیم کی مذکورہ بالا عبارت پر علامہ حموی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

قَوْلُهُ: وَالْحِيلَةُ فِي التَّكْفِينِ بِهَا أَيْ الزَّكَاةِ وَالْمُرَادُ الَّذِي وَجَبَ تَمْلِيكُهُ لِأَدَاءِ فَرْضِ الزَّكَاةِ قَوْلُهُ فَيَكُونُ الثَّوَابُ لَهُمَا ثَوَابَ الصَّدَقَةِ وَلِلْفَقِيرِ التَّكْفِينُ وَكَذَلِكَ جَمِيعُ أَبْوَابِ الْبِرِّ الَّتِي يَتَأَتَّى التَّمْلِيكُ فِيهَا كَعِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِيرِ

---

[9] ۔ایضاً، ص128

Ibid, P 128

[10] ۔ زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم، الاشباہ والنظائر (بیروت؛دار الکتب العلمیۃ، 1419ھ/1999ء)، ص351

Zain uddīn bin Ibrāhīm ibn e nujāim, Alashbāh wnaẓāir (Dār ul kutub ālilmiah, Beirut, 1419, 1999)P 351

وَالرِّبَاطَاتِ[11]

مال زکوۃ سے تکفین میں حیلہ کا مفہوم یہ کہ زکوۃ کے فرض کی ادائیگی کے لیے تملیک ضروری ہے۔ دونوں کو ثواب ملنے کا مطلب یہ ہے کہ (مالدار کو) زکوۃ ادا کرنے کا ثواب ہو گا اور فقیر کو کفن دینے کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح نیکی کے تمام ابواب میں ہو سکتا ہے جن میں تملیک ضروری ہوتی ہے۔ جیسے مساجد کی تعمیر، پل اور سرائے وغیرہ بنانا۔

دینی مصلحت کے لئے زکوۃ کا حیلہ کرنا

حیلہ کرنا اگرچہ شرعی مزاج کے برعکس ہے لیکن یہاں بھی ضرورت و حاجت اور شرعی مجبوری آڑے آتی ہے اور علماء ان احوال کو دیکھتے ہوئے حیلہ کے جواز کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ چنانچہ "اگر کسی دینی کام کے لیے رقم کی ضرورت ہے اور زکوۃ کے علاوہ کوئی اور رقم نہیں اور وہ کام کرنا ضروری ہے تو ایسی صورت میں کسی ایسے شخص کو زکوۃ کی رقم کا مالک بنا دیا جائے جو زکوۃ کا مستحق ہے نصاب کا مالک نہیں ہے، پھر وہ اپنی طرف سے وہ رقم مذکورہ دینی ضرورت کے لیے دیدے تو اس صورت میں زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور دینی کام بھی ہو جائے گا"[12]۔

علماء کرام نے نہ صرف ایسے حیلہ کو جائز قرار دیا ہے بلکہ اسے کئی مقامات پر مستحسن بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام او ليتوصل بها الى حلال فهى حسنة [13]

---

[11]۔ احمد بن محمد الحموی، غمز عیون البصائر علی الاشباہ والنظائر (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1405ھ/1985ء) ج4، ص225
Alḥmwi, Aḥmd bin Muhammad, Ġamz Uyōn albaṣāir alā Ashbāh wa naẓāir, Vol, 4, P225

[12]۔ مفتی محمد انعام الحق قاسمی، زکوۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، (کراچی، بیت العمار، نورانی مسجد گل پلازہ، مارسنن روڈ، 1427ھ/2006ء) ص173
Mufti Muhammad Inām ul Haq Qāsmi, Zakāt ky Masāil ka encyclopedia(Karachi, Bait ul Imār, Norāni Masjid, Gul Plaza, Marsinon Road, 2006) P 173

[13]۔ شیخ نظام الدین، فتاوی ہندیہ، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2000)، ج2، ص390
Shaikh Nizām ud dīn , Fatāwa Hindia (Dār ul kutub ālilmiah, Beirut, 2000) Vol, 2, P 390

ہر وہ حیلہ جس انسان حرام سے گلو خلاصی کروالے یا وہ حیلہ کسی حلال کام کا ذریعہ بنے تو ایسا حیلہ کرنا اچھا ہے۔

قاعدہ فقہیہ بھی ہے کہ جب انسان کے سامنے دو بری چیزیں ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے اختیار کئے بغیر چارہ کار نہ ہو تو پھر کم خرابی والی چیز کو اختیار کر لے۔

اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما

جب دو برائیاں متعارض آجائے تو بڑی برائی سے بچنے کے لیے چھوٹی کا ارتکاب کیا جائے گا

یہاں پر دو غیر شرعی چیزیں سامنے آرہی ہیں ایک یہ ہے کہ وہ اس رقم کو ویسے ہی اپنی مرضی سے استعمال کرلے اور دوسرا حیلہ کرلے۔ یقیناً پہلی برائی زیادہ شدید ہے لہذا وہ حیلہ کرلے جس کے جواز پر علماء کی ایک کثیر تعداد متفق نظر آتی ہے۔ لیکن یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ حیلہ اسی وقت کرے جب شدید ضرورت پیش آئے۔ اس کے بغیر حیلہ نہ کرے۔ کیونکہ اگر انسان حیلوں کی طرف مائل ہوا تو شریعت کے بہت سارے امور کی روح ختم ہو جائے گی۔ آدمی اپنی سہولت کے لیے حیلہ کرتا دکھائی دے گا۔ اس طرح شرعی امور ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو لکھنا پڑا کہ کہیں صاحب نصاب لوگ زکوۃ دینے کے ڈر سے حیلہ کرنا ہی نہ شروع کر دیں۔ چنانچہ علماء کو یہ لکھنا پڑا کہ:

الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس به بل هو مندوب إليه وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق[14]

حرام سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اور گناہ میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لیے حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ مستحب ہے لیکن کسی مسلمان کا حق باطل کرنے کے لیے حیلہ کرنا گناہ اور سرکشی ہے۔ علامہ نسفی نے کافی میں کہا ہے کہ امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ یہ مومن کا اخلاق نہیں ہے کہ وہ حق کو باطل کرنے والے حیلوں

---

[14]۔ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1422ھ / 2002ء) ج16، ص239

Badr ud dīn al-Ayni, Umdat al-Qari(Dār ul kutub ālilmiah, Beirut 2002) Vol 16, P 239

کے ذریعے اللہ کے احکام سے راہ فرار اختیار کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ حیلہ بذات خود شرعی مزاج کے خلاف ہے اور اس پر مختلف مقامات پر وعید بھی آئی ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ عمل پیرا ہونے کے لیے نازل کئے گیے ہیں نہ کہ حیلہ کر کے بچنے کے لیے۔ لیکن حالات وزمانہ کو دیکھتے ہوئے علماء کرام نے حیلہ کا جواز بیان کیا۔ خاص طور پر مدارس کے مصارف میں حیلہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ نیز بعض حالات میں تو مساجد کی تعمیر تک کے لیے کچھ علماء اس کی اجازت دیتے ہیں جیسا کہ ذیل کے دلائل سے واضح ہو گا۔

مساجد و مدارس کے اخراجات کے لیے حیلہ تملیک کرنا

مصارف زکوۃ میں مسجد شامل نہیں کیونکہ قرآن مجید کے بیان کردہ آٹھ مصارف زکوۃ کے علاوہ کسی جگہ دینا درست نہیں۔ مسجد میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا بھی درست نہیں اسی وجہ سے عام حالات میں مسجد کے لیے حیلہ تملیک کرنا بھی غیر مناسب ہے لیکن علماء بیان کرتے ہیں کہ اگر مسجد کسی غریب اور نادار علاقے میں واقع یا وہاں مسجد بنانے کی ضرورت ہے وہاں کے باسی مالی طور پر مسجد کی تعمیر کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس مجبوری کو دیکھتے ہوئے حیلہ تملیک کی گنجائش ہو گی۔ "اور حیلہ کی صورت یہ ہو گی کہ کوئی غریب آدمی کسی سے قرض لے کر مسجد کی ضرورت کو پورا کرنے کی لیے پیسہ دیدے اور اس غریب کو قرض اتارنے کے لیے زکوۃ کی رقم دیدے"۔[15]

مسجد کے لیے حیلہ تملیک کر کے وہ رقم مسجد کو دے دی جائے تا کہ ضرورت پوری ہو سکے۔ علامہ شامی نے حیلے کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے اس کا جواز نقل کیا ہے۔

ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامره بفعل هذا الاشياه[16]

اس کا حیلہ یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم فقیر پر صدقہ کرے پھر اسے (ان مصارف میں صرف کرنے کا) حکم

---

[15]۔ مفتی محمد انعام الحق قاسمی، زکوۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، ص 432،433

Mufti Muhammad Inām ul Haq Qāsmi, Zakāt ky Masāil ka encyclopedia, P 432,433

[16]۔ محمد امین بن عمر شامی، رد المحتار علی الدر المختار (دار احیاء التراث العربی, بیروت، 1987ء)، ج2، ص 63

Muḥammad Amin shāmi, Radulmuḥtar alā Durilmukhtar(D ār Iḥyā alturath alarabi, Beruit, 1987) Vol. 2, P 63

دے۔

حیلہ جائز ہونے کے لئے خاص مقدار کی رقم کی تخصیص نہیں جتنی بھی رقم میں حیلہ کی ضرورت ہے کر سکتے ہیں۔ ضرورت اور دین کی بقا کے لیے ایسا حیلہ کرنے والے اور حیلہ کرانے والے گنہگار نہیں ہوں گے بلکہ نیت صالح ہونے پر ثواب کی امید ہے۔ اسی طرح کا مسئلہ مدارس میں بھی پیش آتا ہے کہ مدارس کے اخراجات میں اساتذہ کا مشاہرہ اور دیگر ضروریات کو پورہ کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم صرف کرنا درست نہیں تو اس مجبوری اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے یہاں بھی حیلہ کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ انعام الحق قاسمی لکھتے ہیں:

"غریب اور پسماندہ علاقے کے مدارس میں عطیات اور چندہ کی رقم بہت کم ہوتی ہے، زکوۃ، صدقہ فطر، کفارہ اور چرم قربانی کی رقم زیادہ ہوتی ہے اور عطیات اور چندہ کی رقم سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہوتی، اس لئے مدرسے والوں کے لئے اس طرح حیلہ کرنا کہ زکوۃ کی رقم کسی غریب کو مالک بنا کر دیدیں اور اس سے یہ کہ دیں کہ تم اپنی طرف سے خوشی سے مدرسے میں دیدو، اور خوشی سے دیدیتا ہے تو اس رقم سے مدرسین کی تنخواہ دینا جائز ہو گا۔"[17]

مذکورہ بالا مسئلہ اور حیلہ کا جواز اس وقت ہے جب ہم مصارف زکوۃ سے ہٹ کے کسی جائز اور اچھے مقصد کے لیے صرف کرنا چاہ رہے ہیں اور زکوۃ کے علاوہ اور رقم موجود نہیں ہے تو بامر مجبوری حیلہ کا رستہ اختیار کیا گیا۔ لیکن ہمارے مدارس میں جو رقم طلبہ کے ضروریات کے لیے آتی ہے اور اسے طلبہ ہی کی ضروریات پر صرف کیا جاتا ہے اس کے وصول کرنے مہتمم یا منتظم کی حیثیت پر اختلاف رہا ہے۔ اسی بنا پر اہل مدارس اس پر بھی حیلہ کرتے ہیں۔ زکوۃ کی رقم کسی غریب طالب علم کے سپرد کی جاتی ہے پھر وہ اپنی مرضی سے مدرسہ کے مہتمم کے سپرد کر دیتا ہے چنانچہ مدارس میں اسی طرح ہوتا رہا ہے بلکہ علماء کی کثیر تعداد اس پر اب بھی عمل پیرا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ دے رہی ہے لیکن یہ ایک مشقت ہے جس میں آسانی کی ضرورت محسوس ہوتی کیونکہ مدارس میں لوگ تقریبا روزانہ کی بنیاد پر کچھ اس طرح کا تعاون کر جاتے ہیں جس میں تملیک ضروری ہوتی ہے۔ منتظمین روزانہ حیلہ ہی

---

[17]۔ مفتی محمد انعام الحق قاسمی، زکوۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، ص152

Mufti Muhammad Inām ul Haq Qāsmi, Zakāt ky Masāil ka encyclopedia, P 152

کرتے رہیں گے۔لہذا قاعدہ فقہیہ " المشقة تجلب التيسير " کے مطابق اس میں سہولت پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک تعداد منتظمین مدارس کو زکوۃ ادا کرنے والوں کا وکیل قرار دیتی ہے۔اس میں بھی کچھ مسائل ہیں اور کچھ اہل علم اہل حاجت طلبہ کی طرف سے نائب سمجھتے ہیں۔ایسے میں کیا ایسا سہولت والا مؤقف ہونا چاہیے جس میں فریقین کے لیے آسانی بھی ہو اور مسئلہ بھی حل ہو جائے ؟مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا مؤقف ایسی سہولت فراہم کرتا ہے۔آپ رقمطراز ہیں:

"صورت حال یہ ہے کہ جب طلبہ نے مدرسہ میں داخلہ لیا اور اپنی امداد منظور کرائی تو گویا انہوں نے ناظم مدرسہ کو اپنے لیے زکوۃ وصول کرنے کا وکیل بنایا۔ اس حیثیت سے وہ طلبہ کا وکیل ہے۔ زکوۃ ادا کرنے والوں نے زکوۃ حوالہ کی کہ اسے غربا اور مصارف زکوۃ میں خرچ کر دیں،اس پہلو سے وہ زکوۃ دینے والوں کا وکیل ہے۔اس لیے بہتر ہے کہ نظماء مدارس کو طلبہ اور زکوۃ دہندگان دونوں کا وکیل تصور کی جائے۔۔۔علماء ہند میں بعضوں نے نظماء کو طلبہ کا،بعضوں نے زکوۃ ادا کرنے والوں کو اور بعضوں نے دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے،اس عاجز کا خیال ہے کہ یہی تیسری رائے زیادہ صحیح، قرین صواب اور مبنی بر احتیاط ہے۔واللہ اعلم"[18]

علامہ رحمانی کی یہ رائے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے زیادہ انسب اور ایسر ہے۔معاصر فقہاء کو اس رائے پر توجہ کرنی چاہیے تاکہ یہ متفقہ یا اکثریتی رائے بن سکے۔ مدارس کے علاوہ یہی حکم ان بہبود عامہ کے اداروں کا ہے جہاں زکوۃ کی رقم استعمال کی جاتی ہے۔جیسے مختلف یتیم خانے، ہسپتال اور دیگر خیراتی ادارے۔علامہ ابن نجیم مسجد بنانے،میت کو کفن دینے،میت کا قرضہ ادا کرنے اور غلام خرید کر آزاد کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم کو استعمال کرنے کے حیلہ کا جواز بیان کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

وَالْحِيلَةُ فِي الْجَوَازِ فِي هَذِهِ الْأَرْبَعَةِ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِقْدَارِ زَكَاتِهِ عَلَى فَقِيرٍ ثُمَّ يَأْمُرُهُ بَعْدَ ذَلِكَ بِالصَّرْفِ إلَى هَذِهِ الْوُجُوهِ[19]

---

[18]۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل (کراچی، زمزم پبلشرز،2006ء)ج1،ص154

Molānā Khālid Saifullah Raḥmāni, Jadīd Fiqhi Masāil (Zam Zam Publishers, 2006) Vol 1, P 154

[19]۔ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق،(بیروت، مکتبہ داراحیاء التراث،1422ھ،2002ء)ج2،ص385

Zain uddīn bin Ibrāhīm ibn e nujāim, Al Bahr ul Rāiq Sharh Kand ul Daqāiq (Beruit, Maktaba Dār ul Ihyā ul Turās, 2002) Vol 2, P 385

ان چاروں کے لیے (زکوۃ کے استعمال کے جواز کا) حیلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زکوۃ کی مقدار کسی فقیر کو دے دے پھر اسے کہے کہ وہ ان چیزوں میں استعمال کرے۔

ادائیگی زکوۃ سے متعلق مسائل اور حالات وزمانہ کے اثرات

زکوۃ کی ادائیگی سے متعلق مختلف مسائل حالات وزمانہ کی بناء پر تبدیل ہوتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان مسائل قواعد فقہیہ کی روشنی میں مطالعہ پیش خدمت ہے

زکوۃ کی ادائیگی گورنمنٹ کو یا خود مستحقین کو کی جائے

نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنھما کے ادوار میں زکوۃ کی وصولی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ عاملین زکوۃ کو روانہ کیا جاتا اور وہ لوگوں کے اموال کا حساب کرتے اور زکوۃ وصول کر کے واپس لے آتے۔ ان ادوار میں مال کی کسی قسم کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ہر طرح کے مال سے زکوۃ عاملین ہی وصول کرتے، چاہے وہ مویشی ہوتے یا درہم و دینار سونا چاندی ہوتا یا دیگر سامان تجارت۔ لیکن جب خلافت عثمان کا دور آیا اور ہر قسم کے اموال کی کثرت ہو گئی تو آپ نے محسوس کیا کہ ہر طرح کے مال کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے عاملین کا تقرر مشکل ہو گا کیونکہ لوگوں کے اموال کی جانچ پڑتال کرنی اور ان کی نجی جگہوں کی تلاشی لینی تاکہ مال چیک کیا جاسکے فتنہ انگیز امر ہے لہٰذا آپ نے اموال کی دو اقسام کر دیں ایک اموال ظاہرہ اور ایک اموال باطنہ۔ اموال ظاہرہ میں مویشی اور زرعی پیداوار کو شامل کیا گیا جبکہ باقی درہم و دینار، سونا چاندی وغیرہ کو اموال باطنہ میں شمار کیا گیا اور آپ نے حکم جاری فرمایا کہ اموال ظاہرہ کی زکوۃ عاملین زکوۃ وصول کریں گے جبکہ اموال باطنہ کی زکوۃ لوگ خود ادا کریں۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:

"فان المصدق كان ياخذ منها فى عهد رسول الله ﷺ و الخليفتين من بعد ه رضى الله عنهما حتى فوَّض عثمان رضى الله عنه الاداء الى ارباب الاموال لما خافت المشقة و الحرج فى تفتيش الاموال عليهم من سُعاة السوء" (20)

20۔ محمد احمد سرخسی، کتاب المبسوط (بیروت دار الکتب العلمیہ، 2001ء) ج2، ص16

Muhammad Ahmad Sarakhsi, Kitab ul Mabsoot,(Dār ul kutub ālilmiah, Beirut, 2001) Vol 2, P 169

"نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں زکوۃ وصول کرنے والا ہی زکوۃ لیتا تھا اسی طرح بعد کے دو خلفاء کے دور میں ہوتا رہا۔ حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں جب مال کی تفتیش میں لوگ محکمہ کے برے لوگوں کی وجہ سے مشقت اور حرج میں پڑ جائیں گے تو آپ نے اہل ثروت کو خود ہی اپنے مال کی زکوۃ دینے کا حکم دے دیا"۔

جیسا کہ قاعدہ فقہیہ ہے المشقة تجلب التيسير مشقت آسانی کا باعث بنتی ہے۔

چنانچہ حضرت عثمان نے لوگوں کی مشقت اور حرج کو دیکھتے ہوئے انہیں خود زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ موجودہ حالات میں بھی ایسے ہی ہونا چاہیے کہ گورنمنٹ لوگوں کو خود زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے ۔کیونکہ بینکوں سے زکوۃ کی کٹوتی میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ شاید ہی کوئی شعبہ کرپشن سے خالی ہو ایسے ہی محکمہ زکوۃ و عشر کے بارے میں رائے ہے لہذا لوگ اس حوالے سے تشویش کا شکار رہتے ہیں چنانچہ انہیں اس تشویش اور پریشانی سے بچانے کے لیے خود اپنی زکوۃ ادا کرنے کا اختیار دینا چاہیے اور زبردستی بینکوں سے زکوۃ کی کٹوتی بند کر دینی چاہیے۔

دوسرے شہر میں زکوۃ بھیجنا

زکوۃ کی ادئیگی میں حکم یہ ہے کہ جس علاقے کی زکوۃ ہو اسے اسی علاقے کے فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن روانہ فرمایا تو انہیں احکام کے ساتھ یہ امر بھی فرمایا کہ:

"فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم" [21]

انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے کو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں میں تقسیم کی جائے گی۔

مذکورہ بالا حدیث نبوی کی رو سے فقہاء کرام نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زکوۃ اسی شہر کے فقراء کو دی جائے گی جس شہر کے امراء سے وصولی کی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

---

[21]۔ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ، رقم الحدیث 1331

Muḥammad bin Ismāil Bukẖāri , Aljāmeʿ Aṣaḥiḥ ،kitāb uzakat, bāb wajoob uzakat , Ḥadiṯh no: 1331

"ویکرہ نقل الزکاۃ من بلد إلی بلد وإنما تفرق صدقۃ کل فریق فیھم" [22]

زکوۃ ایک شہر سے دوسرے شہر نقل کرنا مکروہ ہے ہر فریق کی زکوۃ انہی میں تقسیم کی جائے گی۔

لہذا عام اصول تو یہی ہے کہ ایک شہر سے زکوۃ دوسرے شہر نقل کرنا مکروہ ہے لیکن "جب دوسرے شہر کے لوگ غریب، محتاج ہوں یا رشتہ دار ہوں اور وہ ضرورت مند ہوں، یا اس شہر کے لوگ دینی تعلیم میں مشغول ہوں، تو ایسے لوگوں کو زکوۃ کے پیسے بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بعض مواقع میں ثواب زیادہ ملے گا۔ دینی مدارس کے غریب طلباء کے لیے زکوۃ کی رقم بھیجنا نہ صرف جائز بلکہ صدقہ جاریہ بھی ہے۔[23]

چنانچہ فقہاء نے جس چیز کا خیال رکھا ہے وہ ضرورت وحاجت ہے اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ

"الضرورت تبیح المحظورات" ضروریات ممنوعہ اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں

اسی طرح حاجت سے متعلق قاعدہ فقہیہ ہے

الحاجۃتنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ او خاصۃ حاجت چاہے عام ہو یا خواص، ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن نجیم بھی اسی مؤقف کو واضح کرتے ہوئے فقراء کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ کے مصارف میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ غریب ہی زکوۃ کا سب سے زیادہ مستحق ہوتا ہے، کیونکہ زکوۃ کا مقصد غریبوں کی حاجت کو پورا کرنا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم زکوۃ کا مقصد بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ فَمَنْ كَانَ أَحْوَجَ كَانَ أَوْلَى ، وَلَيْسَ عَدَمُ الْكَرَاهَةِ مُنْحَصِرًا فِي هَاتَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ نَقَلَهَا إلَى فَقِيرٍ فِي بَلَدٍ آخَرَ أَوْرَعَ وَأَصْلَحَ كَمَا فَعَلَ مُعَاذٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يُكْرَهُ " [24]

---

[22]۔ علی بن ابو بکر مرغینانی، الھدایۃ، کراچی، مکتبہ البشری، 1429ھ / 2008ء) ج2، ص79

Ali bin Abu Bakr Marghināni, Alhidāya (Karachi, Maktaba Albushrā, 2008,) Vol 2, P 79

[23]۔ مفتی محمد انعام الحق قاسمی، زکوۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، ص169

Mufti Muhammad Inām ul Haq Qāsmi, Zakāt ky Masāil ka encyclopedia, P 169

[24]۔ زین الدین ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج2، ص395

کیونکہ زکوۃ کا مقصد محتاج کی ضرورت کا دروازہ بند کرنا ہے لہذا جو زیادہ ضرورت مند ہو گا وہ زیادہ مستحق ہو گا۔ لہذا عدم کراہیت صرف انہی دو حالتوں میں منحصر نہیں رہے گی۔ کیونکہ اگر وہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی طرح زکوۃ کسی دوسرے شہر میں رہنے والے زیادہ متقی اور نیک فقیر کو دیتا ہے تو یہ بھی مکروہ نہیں ہو گا۔

علامہ شامی الدر المختار کی عبارت پر اپنی رائے بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"(وَ) كُرِهَ (نَقْلُهَا إلَّا إلَى قَرَابَةٍ) بَلْ فِي الظَّهِيرِيَّةِ لَا تُقْبَلُ صَدَقَةُ الرَّجُلِ وَقَرَابَتُهُ مَحَاوِيجُ حَتَّى يَبْدَأَ بِهِمْ فَيَسُدَّ حَاجَتَهُمْ (أَوْ أَحْوَجَ) أَوْ أَصْلَحَ أَوْ أَوْرَعَ أَوْ أَنْفَعَ لِلْمُسْلِمِينَ" [25]

زکوۃ کو کسی دوسری جگہ نقل کرنا مکروہ ہے لیکن قریبی رشتہ دار کو بھیجی جاسکتی ہے بلکہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اس شخص کی زکوۃ قبول نہیں ہوتی جس کے قریبی محتاج ہوں (اور وہ دوسروں کو زکوۃ دیتا رہے) اسے ان سے ابتدا کرنی چاہیے تاکہ وہ ان کی حاجت پوری کر سکے یا زیادہ محتاج ہوں، زیادہ نیک یا متقی محتاج ہوں یا پھر دوسری جگہ زکوۃ بھیجنے کا مسلمانوں کو زیادہ فائدہ ہوتا ہو (تو ان تمام صورتوں میں دوسری جگہ زکوۃ بھیجی جاسکتی ہے)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوا کہ اصل تو یہی ہے کہ جس شہر کی زکوۃ ہے اسے اسی شہر کے مستحقین میں تقسیم کیا جائے۔ اسے دوسرے شہر میں تقسیم کرنا فقہاء کرام کے ہاں مکروہ ہے۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں لوگ زیادہ حاجت مند وضرورت مند موجود ہوں یا قریبی رشتہ دار محتاج ہوں تو پھر مکروہ نہیں ہو گا۔

سادات کرام کو زکوۃ دینا

نبی کریم ﷺ کی اہل بیت سے تعلق کی بنا پر سادات کو امت کے دیگر افراد سے ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ بہت سے امور میں ان کے لیے احکام کی تخصیص ہے۔ ان مسائل میں سے زکوۃ اہم مسئلہ احادیث و آثار اور متون فقہاء کرام کے ہاں متفقہ طور پر سادات کے لیے زکوۃ جائز نہیں بلکہ امت کے مالدار افراد کو چاہیے کہ وہ ان کی خدمت میں تحائف و نذرانہ جات کی شکل میں ہدیہ پیش کریں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ کیونکہ زکوۃ تو وہ لے نہیں سکتے اور ان کے لیے مال غنیمت کا خمس مقرر کیا گیا تھا وہ اب ویسے مفقود ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد

Zain uddīn bin Ibrāhīm ibn e nujāim, Al Bahr ul Rāiq Sharh Kand ul Daqāiq, Vol 2, P 395

[25]۔ محمد أمین بن عمر شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ج2، ص68

Muḥammad Amin shāmi, Radulmuḥtar alā Durilmukhtār, Vol. 2, P 68

ہے:

"إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَإِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلاَ لآلِ مُحَمَّدٍ"[26]

یہ صدقات لوگوں کی میل ہیں محمد (ﷺ) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں۔

کتب احادیث میں اس مفہوم کی بہت سی روایات موجود ہیں۔ اس سے علماء کرام نے فقہاء کا اتفاق و اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

"اجمعوا على تحريم الصدقة المفروضة على بنى ہاشم و بنى عبد المطلب،وهم خمس بطون آل على و آل عباس و آل جعفرو آل عقيل و آل الحارث بن عبد المطلب" [27]

آئمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب پر فرضی صدقات حرام ہیں یہ پانچ خاندان ہیں: آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل الحارث بن عبد المطلب۔

لہذا ہونا تو یہ چاہیے کہ مالدار افراد بذات خود سادات کا خیال رکھیں اور ان کی ضروریات میں تعاون کریں تاکہ وہ محتاجی کی اس حالت تک پہنچیں ہی نہ کہ ان کے لیے زکوۃ کی ادائیگی کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کی جائے ۔امام احمد رضا نے سادات کے لیے مال زکوۃ کے حرام ہونے پر کثیر تعداد میں دلائل نقل کئے ہیں۔ بعد ازاں وہ لکھتے ہیں:

"رہا یہ کہ اس زمانہ پر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو۔ اقول (میں کہتا ہوں) بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضرات عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جد اکرم ﷺ

---

[26]۔ مسلم بن حجاج قشیری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب تَرْكُ اسْتِعْمَالِ آلِ النَّبِيِّ عَلَى الصَّدَقَةِ. رقم الحدیث: 2531
Muslim ibn al hajjāj al-Qushayrī, Aljāmy Al-Ṣahīh, Kitab ul zkāt, Bāb Tark istimal Āl e Anabi Alā Ṣadqa, Hadith No: 2531

[27]۔ عبد الوہاب بن احمد شعرانی، المیزان الکبریٰ (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1418ھ/1998ء) ج2، ص16
Abdul Wahhāb Al-Sharānī, Al- Mīzan Al Kubrā, (Dār ul kutub ālilmiah, Beirut, 1998) Vol 2, P 16

کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا وماوا نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال جو انہیں کے صدقے میں انہیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں کہ اس سخت حاجت کے دن اس جواد کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں"[28]

علماء کرام اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی پورا کرتے رہے ہیں کہ وہ امت کی درست راہنمائی کرتے ہوئے متبادل راہ دکھائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہونا تو ایسے ہی چاہیے لیکن حالات ایک سے نہیں رہتے نفسا نفسی کے اس دور میں صورت احوال سب کے سامنے ہے۔ لیکن اگر یہ آئیڈیل صورت حال نہ ہو اور لوگ سادات کی مالی معاونت نہ کر رہے ہوں اور زکوۃ کے مال کے علاوہ کوئی مال بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں علماء کرام مجبوراً حیلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ:

"متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوۃ کی زکوۃ ادا ہو اور خدمت سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرف زکوۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مال زکوۃ سے کچھ روپے بہ نیت زکوۃ دے کر مالک کر دے، پھر اسے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کی نذر کر دو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سید نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اس اور فقیر دونوں کو ملا"[29]

سادات کو بالواسطہ زکوۃ دینے کے بجائے اس طرح حیلہ کرنا بھی شرعی ضرورت کے تحت ہے اور قاعدہ فقہیہ ہے:

---

[28]۔ امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ (لاہور، رضا فاؤنڈیشن، 1996) ج10، ص105

Imam Ahmad Raza, Fatāwā Raẓāwiyya, (Lahore, Raza Foundation,1996) Vol 10, P 105

[29]۔ ایضاً، ص106

Ibid, P 106

الضرورت تبیح المحظورات ضروریات ممنوعہ اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں

حیلہ کرتے ہوئے سادات کو زکوۃ کی رقم دینے سے متعلق علماء کرام نے وہ دلائل ذکر کئے ہیں جن کا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کی ویسے تو حیلہ شرعی طور پر درست نہیں لیکن ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ سادات کے لیے حیلہ کا ذکر کرتے ہوئے مفتی انعام الحق لکھتے ہیں:

"اگر سید انتہائی غربت کے عالم میں ہے، اور اس کی خدمت کے لیے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے فنڈ کی رقم نہیں ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے دینے کی گنجائش ہو گی، اور حیلہ کی صورت یہ ہو گی کہ کسی غیر سید غریب مستحق زکوٰۃ کو یہ کہہ کر زکوٰۃ کی رقم دی جائے یہ زکوٰۃ فلاں سید کو دینی تھی مگر وہ سید ہے اس لیے زکوٰۃ جائز نہیں، لہذا تم کو زکوٰۃ دیتے ہیں، اگر تم تمام یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دیدو تو یہ بہتر ہے اور وہ لے کر سید کو دیدے تو سید کے لیے اس رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور سید کی خدمت بھی ہو جائے گی۔ بنی ہاشم کا بھی یہی حکم ہے"[30]

لیکن اگر صورت حال اس قدر ناگفتہ بہ ہو چکی ہے کہ زکوۃ کے علاوہ اور کوئی صورت بھی نہیں اور نوبت فاقوں تک پہنچ چکی ہے تو ایسی صورت حال میں زکوۃ لینے کے جواز کی طرف بھی علماء کرام کی آراء موجود ہیں۔ مفتی انعام الحق قاسمی سے اسی طرح کا ایک سوال کیا گیا۔ سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اگر سید کو اضطراری کی حالت ہو، فاقہ پر فاقہ ہو، جان بچانے کے لیے زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی رقم موجود نہ ہو، تو ایسی مجبوری کی حالت میں زکوٰۃ جائز ہو گی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم "[31] حدیث میں سید کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم آیا ہے وہ عام حالت میں ہے، اضطراری کی حالت اس سے

---

[30] ۔ مفتی محمد انعام الحق قاسمی، زکوٰۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، ص 271

Mufti Muhammad Inām ul Haq Qāsmi, Zakāt ky Masāil ka encyclopedia, p 271

[31] ۔ القرآن، المائدۃ 5:3

Al.Qurān, 3: 5

مستثنیٰ ہے"[32]

سادات کے لیے زکوۃ کے حرام ہونے اور حیلہ کے ذریعے اس کے جواز پر علماء کی آراء مذکورہ بالا بحث میں گزر چکی۔ ان آرا کے ساتھ ساتھ حالات وزمانہ کا خیال کرتے ہوئے کچھ علماء سادات کے لیے زکوۃ کے جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ سب سے پہلے جس فقہیہ کی کتاب میں اس کا ذکر ملتا ہے وہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ شرح معانی الاثار میں لکھتے ہیں:

"فَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ . وَذَهَبَ فِي ذَلِكَ عِنْدَنَا إِلَى أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ مِنْ سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبَى . فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِكَ عَنْهُمْ وَرَجَعَ إِلَى غَيْرِهِمْ , بِمَوْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَلَّ لَهُمْ بِذَلِكَ مَا قَدْ كَانَ مُحَرَّمًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا قَدْ كَانَ أُحِلَّ لَهُمْ" [33]

امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بنو ہاشم کو تمام صدقات دینے میں کوئی حرج نہیں ۔ہماری رائے کے مطابق امام ابو حنیفہ کا یہ مؤقف اس لیے ہے کہ بنو ہاشم پر تمام صدقات اس لیے حرام تھے کہ ذوی القربی کے حصے کے طور پر ان کے لیے خمس رکھا گیا تھا۔ جب یہ حصہ ان سے منقطع ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد یہ حصہ دوسروں کو منتقل ہو گیا تو ان کے لیے صدقات لینا جائز ہو گیا کیونکہ یہ اس حصہ سے محروم ہو گئے جو ان کے لیے حلال تھا۔

علامہ ابن نجیم نے اس مؤقف کو بحر الرائق میں ذکر کیا وہ لکھتے ہیں

ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ اس زمانہ میں بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ

---

[32]۔ مفتی محمد انعام الحق قاسمی، زکوۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، ص269

Mufti Muhammad Inām ul Haq Qāsmi, Zakāt ky Masāil ka encyclopedia, P 269

[33]۔ ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، شرح معاني الآثار، کتاب الزکوۃ، بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى بَنِي هَاشِمٍ ج2، ص10

Abū Jaʿfar Aḥmad bin Muhammad aṭ-*Ṭaḥāwī, Sharah Ma*ānī *Al As*ār, *Kit*āb *ul zk*āt, *B*āb *al* Ṣadqa alā Banī Hāshim, Vol 2, P 10

ہے کہ انہیں زکوۃ کے عوض میں خمس کا خمس دیا گیا تھا لیکن غنائم کے معاملہ میں اور انہیں مستحقین تک پہنچانے میں لوگوں کی کوتاہی کی بنا پر بنو ہاشم کو یہ ملتا ہی نہیں۔ لہذا جب انہیں عوض (خمس) نہیں ملتا تو معوض (زکوۃ) لوٹ جائیں گے۔ جیسا کہ بحر میں ہے۔[34]

اسی عبارت کو علامہ شامی نے رد المحتار میں بھی بیان کیا ہے۔[35] لیکن ان کتب میں موجود ہونے کے باوجود اسے تلقی قبول حاصل نہیں ہو سکا۔ اسے ایک قول مرجوح کے طور پر ذکر کیا جاتا رہا۔ بہت سارے علماء کرام نے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ابو عصمہ کی مذکورہ بالا روایت کو شک کی نظر سے دیکھا ہے علت اس روایت میں بیان کی گئی ہے اسے محل نظر گردانا ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے فتاویٰ میں اس پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اسے ضعیف و مرجوح قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "یہ حکایت نہ روایۃً رجیح نہ درایۃً نجیح ہم ابھی بیان کر آئے کہ علت حرمت بنص صریح صاحب شرع ﷺ و تصریحات متظافرہ حاملان شرع رحمہ اللہ علیہم کثافت صدقات و نظافت سادات یعنی بنی ہاشم ہے اور وہ تبدل زمانہ سے متبدل نہیں ہو سکتی۔۔۔ ایک سہل سی عام فہم بات یہ ہے کہ وہی امام ممدوح اپنی اسی کتاب "شرح معانی الاثار" کی اسی کتاب، اسی باب، اسی بحث میں جہاں ان سے اس ترجیح معکوس کا وقوع بتایا جاتا ہے خاص اسی "بھذا ناخذ" سے صاف صریح تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی پر بھی زکوۃ حرام فرماتے ہیں۔ ہمارے آئمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں"۔[36]

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سادات کرام کو زکوۃ دینا حرام ہے ان کی خدمت ویسے کرنی چاہیے اور اگر حالات ایسے ہوں کہ زکوۃ کے علاوہ ان کی معاونت ممکن نہ ہو تو حیلہ کرتے ہوئے ان کی مدد کی جاسکتی

---

[34]۔ زین الدین ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج2، ص391

Zain uddīn bin Ibrāhīm ibn e nujāim, Al Bahr ul Rāiq Sharh Kand ul Daqāiq, Vol 2, P 391

[35]۔ محمد أمین بن عمر شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ج2، ص66

Muḥammad Amin shāmi, Radulmuḥtar alā Durilmukhtar, Vol. 2, P 66

[36]۔ امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ، ج10، ص102، 103

Imām Ahmad Razā, Fatāwā Raẓāwiyya, Vol 10, P 102, 103

ہے۔ امام طحاوی کی ذکر کردہ روایت مرجوح وضعیف ہے لہذا اس پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ سادات کرام کو زکوۃ دینے کی ممانعت پر جو دلائل فقہاء کرام نے بیان کئے اور ان کے تتبع میں امام احمد رضا خان نے ذکر کئے بلاشبہ یہ اسی طرح ہیں اور اس حوالے سے راجح مؤقف بھی یہی ہے۔ لیکن مسئلہ عام حالات کا نہیں بلکہ اس دور پر فتن کا ہے جس میں لوگ اپنے والدین کی خدمت سے منحرف ہیں، اپنے فرضی نفقات سے پہلو تہی کر رہے ہیں ایسے میں سادات کی خدمت کی طرف کون دیکھے۔ فتاویٰ رضویہ میں آج سے تقریبا ایک صدی قبل کے حالات کو "زمانہ پر آشوب" لکھا ہے۔ مسلسل زوال پذیر اخلاقی اقدار ایک صدی بعد کیا علم ہوا ہو گا یہ زمانے کے موجودہ حالات سے واضح ہے۔ لہذا جس طرح زمانے کے معاملات دیکھتے ہوئے حیلہ کا جواز بیان کیا گیا ہے کیا ابو عصمہ کی مذکورہ مرجوح یا ضعیف روایت کو حالات وزمانہ کی بنا پر راجح قرار دیتے ہوئے سادات کے لیے زکوۃ کی وصولی کا جواز بیان کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ مرجوح روایت کو مجبوری کی بنا پر معمول بہ بنانا کتب فقہ سے ثابت بھی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وَفِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ مَعْزِيًّا إلَى فَخْرِ الْأَئِمَّةِ لَوْ أَفْتَى مُفْتٍ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْأَقْوَالِ فِي مَوَاضِعِ الضَّرُورَةِ طَلَبًا لِلتَّيْسِيرِ كَانَ حَسَنًا [37]

معراج الدرایۃ میں فخر الائمہ کی طرف منسوب قول یہ ہے کہ اگر مفتی ضرورت کی جگہوں پر آسانی تلاش کرتے ہوئے ان (ضعیف) اقوال میں سے کسی پر فتویٰ دیتا ہے تو یہ اچھی بات ہے۔

ضرورت وحاجت کی بنا پر مرجوح اور ضعیف روایت کو ترجیح دینا صرف جائز نہیں کہا بلکہ "حسن" قرار دیا گیا ہے۔ اسی کو قاعدہ فقہیہ "الضرورت تبیح المحظورات (ضروریات ممنوعہ اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں) میں واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ حالات حاضرہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فقہاء کرام کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ علامہ خالد سیف اللہ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"تاہم فی زمانہ سادات کے لیے زکوۃ کا دروازہ کھول کی ہی مقصد شریعت (سادات کو ذلت سے بچایا جائے) کی تکمیل کی جاسکتی ہے، کیونکہ اب سادات کی اعانت کا جذبہ مفقود ہے اور

---

[37] ۔ زین الدین ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج1، ص202

Zain uddīn bin Ibrāhīm ibn e nujāim, Al Bahr ul Rāiq Sharh Kand ul Daqāiq, Vol 1, P 202

اسلامی یا غیر اسلامی حکومت میں ان کی مدد کے لیے کوئی خاص مد موجود نہیں۔ اب ان کو زکوۃ سے محروم کرکے زکوۃ کی ذلت سے بچایا جارہا ہے لیکن دوسری طرف بڑی ذلت پر وہ مجبور ہیں کہ دوسروں کے سامنے سوال کا ہاتھ دراز کریں۔۔۔ اگر کسی دوسری مد سے اعانت کی گنجائش نہ ہو اور بالواسطہ زکوۃ سے مدد پہنچانی ممکن نہ ہو اور وہ ضرورت مند ہوں تو موجودہ حالات میں سادات کو زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام طحاوی، علامہ ابہری مالکی، اصطخری شافعی، امام رازی، علامہ ابن تیمیہ اور ایک قول کے مطابق امام مالک اور اکابر علماء ہند میں علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے ہے"۔[38]

بحث بالا سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عام حالات میں امت کے مالدار افراد پر ضروری ہے کہ وہ اپنے ہدایا اور نذرانہ جات سے سادات کرام کی خدمت بجالائیں تاکہ وہ کسمپرسی سے بچ سکیں لیکن اگر ایسی صورت حال نہ ہو سکے تو اور زکوۃ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو حیلہ کرتے ہوئے زکوۃ ان تک پہنچائی جائے کہ کسی فقیر کو مال زکوۃ کا مالک بنادیا جائے اور اسے ہدایت کی جائے کہ وہ ہدیہ کی نیت کے ساتھ سادات کی خدمت میں پیش کردے۔ لیکن اگر مجبوری کا ایسا عالم ہو کہ اس طرح بھی نہ کیا جاسکے تو پھر "الضرورات تبیح المحظورات" کو دیکھتے ہوئے زکوۃ لینے کی اجازت دی جائے اور مرجوح وضعیف روایت بامر مجبوری قابل عمل قرار دیا جائے۔

زکوۃ کی پس انداز رقم کو بینک میں رکھوانا، بطور قرض دینا یا کاروبار میں لگانا

مختلف رفاعی ادارے، ہسپتال، یتیم خانے، مدارس یا بہبود عامہ کے لیے قائم کی جانے والی مختلف انجمنیں سال بھر زکوۃ کی رقم جمع کرتے ہیں اور اپنی اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کرتی ہیں۔ بعض اوقات کچھ رقم بچ جاتی ہے اور فوری طور پر اس کا کوئی مصرف بھی نہیں۔ فی الحال یا مستقبل قریب میں اس کی ضرورت پڑ جانے کی امید بھی نہیں۔ اگر اسے اپنے پاس رکھا جائے تو موجودہ حالات کے مطابق اس کے چوری ہو جانے کا خدشہ لگا رہتا ہے اور اگر اسے بینک میں جمع کروائیں تو شرعی قواعد کی رو سے درست نہیں۔ کیونکہ منتظمین زکوۃ کی رقم کو مصارف میں خرچ

---

[38]۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، ج1، ص98،99

Molānā Khālid Saifullah Raḥmāni, Jadīd Fiqhi Masāil, Vol 1, P 98,99

کرنے کے وکیل ہیں وہ اسے بینک میں نہیں رکھوا سکتے۔ اب یہاں دو قباحتیں جمع ہیں ایک چوری ہونے کا ڈر اور دوسرا زکوۃ کی رقم کو بینک میں رکھوانا۔ جب قباحتیں جمع ہو رہی ہوں اور ان سے چھٹکارے کی کوئی راہ نہ ہو تو مجبوری کی بناء پر فقہی قاعدہ کے مطابق کم قباحت والی راہ کو اختیار کیا جا سکتا:

اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما

جب دو برائیاں متعارض آجائے تو بڑی برائی سے بچنے کے لیے چھوٹی کا ارتکاب کیا جائے گا۔

لہذا اس قاعدہ کی رو سے بینک میں زکوۃ کی جمع کی ہوئی رقم رکھوائی جا سکتی ہے لیکن اس کو بطور ادھار کسی کو دینا درست نہیں۔ کیونکہ اس کی کوئی شرعی مجبوری نہیں۔ مفتی منیب الرحمن اس حوالے سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہے، لیکن یہ رقوم مال کی حفاظت کے لیے ضرورت کی بنا پر کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کی جاتی ہے اور بنک میں محفوظ ہوتی ہیں، ضرورت کے تحت کسی بھی وقت رقم نکالی جا سکتی ہے۔ اس ہر قیاس کر کے آپ زکوۃ کی رقم کو قرض کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ اصول فقہ کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ "الضرورات تبيح المحظورات" اور " الضرورات تقدر بقدرها "یعنی ضرورت کو اس کے مورد تک محدود رکھا جائے گا۔[39]

لہذا زکوۃ کی رقم کو بطور قرض دینا درست نہیں ہو گا۔

زکوۃ کی پس انداز رقم کو کاروبار میں استعمال کرنا

زکوۃ کے نافذ کرنے کا مقصد نادار لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ زکوۃ مستحقین تک پہنچائے جائے تا کہ وہ اپنی روزمرہ ضروریات کا بندوبست کر سکیں۔ امداد باہمی کے مختلف اداروں کو بینک میں رقم جمع کرنے کی اجازت مجبوری کے طور پر دی گئی ہے تا کہ کہیں زکوۃ کی رقم چوری ہو کر ضائع نہ ہو جائے

---

[39]۔ مفتی منیب الرحمن، تفہیم المسائل (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی، 2020ء)، ج8، ص168

Mufti Munīb ur Rahmān, Tafhīm ul Masāil(Ziā ul Qurān Publications, Lahore- Karachi, 2020) Vol 8, P 168

۔چنانچہ جہاں تک ضرورت ہے وہاں تک تو جواز ہے۔زکوۃ کی جمع کی جانے والی رقم کو کاروبار میں لگانا درست نہیں ۔ایک تو اس وجہ سے کہ وہ رقم لوگوں کی امانت ہے اسے جلد از جلد متعلقہ مصرف تک پہنچ جانا چاہیے دوسرا یہ شرعی ضرورت کے تحت بھی نہیں آتا کہ اسے جائز قرار دیا جائے۔ قاعدہ فقہیہ ہے:

ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا

جو چیز کسی مجبوری کی بناء پر جائز ہوئی ہے اس کی اتنی ہی مقدار جائز ہو گی جس سے مجبوری پوری ہو جائے۔

زکوۃ کی رقم کو اگر بینک میں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے تو وہ ضرورت کی بنا پر ہے۔لہذا اس مجبوری کے پورے ہونے تک اس اجازت کو محدود رکھا جائے گا۔

ٹھیکہ والی زمین میں عشر کی ادائیگی کا وجوب

دور حاضر میں ٹھیکہ پر دی جانے والی زمین میں عشر کی ادائیگی ایک اہم مسئلہ ہے کہ یہ کس پر واجب ہو گی ؟زمیندار چاہتا ہے کہ عشر کاشتکار ادا کرے جبکہ کاشتکار کی خواہش ہے کہ عشر زمیندار ادا کرے۔فقہاء احناف اس مسئلہ میں مختلف فیہ ہیں۔امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عشر مالک زمین ادا کرے گا جبکہ صاحبین کا کہنا ہے کہ عشر کاشتکار ادا کرے گا۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

(والعشر على المؤجر) أي لو أجر الأرض العشرية فالعشر عليه من الأجرة كما في التاترخانية وعندهما على المستأجر[40]

لیکن اس میں بھی ہمارے فقہاء کرام نے لوگوں کی حاجت و مشقت کو پیش نظر رکھا ہے اور حرج کو دور کرنے کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ قواعد فقہیہ سے واضح ہے کہ المشقۃ تجلب التیسیر " چنانچہ جس جگہ کاشتکار کے لیے مشقت نظر آئی وہاں امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق زمیندار پر عشر کے وجوب کا فتویٰ دیا اور جہاں زمیندار کو حرج میں مبتلا ہوتے دیکھا وہاں صاحبین کی رائے پر عمل کرتے ہوئے کاشتکار پر عشر کا حکم لگایا۔جیسا امام احمد رضا نے لکھا ہے:"صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں۔بلکہ ان ملکوں

---

[40]۔ محمد امین بن عمر شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ج2، ص55

Muḥammad Amin shāmi, Radulmuḥtar alā Durilmukhtār, Vol. 2, P 55

میں جہاں اجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے وہاں اسی پر فتویٰ ہونا چاہیے اور بٹائی میں حسب قول امام فقط زمیندار پر ہے"[41] عشر کی مذکورہ بحث کو ایک دوسرے جگہ ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلی لوگوں کے احوال کے مطابق عشر کی ادائیگی کا فتویٰ دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"بالجملہ : قول دوم (صاحبین کا قول) بھی ضعیف نہیں اور ہمارے بلاد میں وہی ارفق بالناس ہے یہاں اجرتیں بلحاظ عشر ہرگز مقرر نہیں ہوتیں، اگر پیداوار کا عشر اُجرت سے دلائیں تو غالباً کچھ نہ بچے بلکہ بہت جگہ عشر ہی میں گھر سے دینا پڑے باقی مصارف دیہی و مالگزاری انگریز جُدا رہے۔ اور اگر اس پر مجبور کیجئے کہ اب وہ اجرتیں مقرر کرلیجئے کہ عشر و مالگزاری و جملہ مصارف دے کر تمھارے لیے بقدر کفالت بچے تو یہ ہرگز میسر نہیں، مزارعین اس پر کیوں راضی ہونے لگے ۔ وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج والحرج مدفوع بالنص لا یکلف اللهنفسا الاما اتاها سیجعل الله بعد عسریسرا لوگوں کو ان کی عادت سے روکنا حرج ہے اور حرج کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے اللہ تعالےٰ ہر نفس کو اتنی تکلیف دیتا ہے جتنا اسے عطا فرمایا عنقریب اللہ تعالیٰ دشواری کے بعد آسانی فرمادے گا"۔[42]

دور ماضی میں ایسا ہوگا کہ کاشتکار کو بچت زیادہ ہوتی ہوگی لہذا قول صاحبین کے مطابق عشر بھی اسی کو دینے کا فتویٰ دیا گیا۔ لیکن اگر دور حاضر میں دیکھیں تو کاشتکار کو زیادہ مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ایک تو اس سے زمین کا ٹھیکہ دینا ہے، دوسرا بیج، کھاد، ہل، سپرے، پانی الغرض اخراجات کی ایک لمبی فہرست ہے جو کاشکار کو برداشت کرنا پڑتی ہے لہذا اس سے ضرر اور حرج کو دور کرتے ہوئے عشر امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق زمیندار پر ہونا چاہیے جیسا کہ قواعد فقہیہ (الضرر یزال وغیرہ) سے واضح ہوتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اپنے علاقہ میں اوقاف کے مسائل کا تذکرہ کیا اور عشر کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[41]۔ امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ، ج10، ص203

Imām Ahmad Razā, Fatāwā Raẓāwiyya, Vol 10, P 102, 203

[42]۔ ایضاً، ص217

Ibid, P 217

"اس معاملہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دینے سے اعراض نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ ہمارے زمانہ میں لوگ مثلی اجرت مقرر کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وقف کے لئے مثلی اجرت میں نقصان سے سلامتی ہے اور اس پر کوئی عشر وغیرہ بھی نہیں ہے لیکن اگر وقف کی جانب سے عشر ادا کرنے کا اعتبار کیا جائے اور مستاجر پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہو تو واضح طور پر مثلی اجرت کئی گنا تک بڑھ جاتی ہے، لیکن اگر اجرت مکمل طور پر لینا ممکن ہو تو امام صاحب کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا وگرنہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہو گا، تاکہ اس سے وہ واضح ضرر لازم آئے جس کا کوئی بھی قائل نہیں"۔
43

چنانچہ خلاصہ بحث یہ ہوا کہ ٹھیکہ دار اور زمیندار میں سے ہر ایک کے معاملے کا جائزلیا جائے گا۔ اور جسے ضرر ومشقت کا سامنا ہو گا اس سے ضرر ومشقت کو دور کیا جائے گا۔ فتویٰ دیتے وقت امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے اقوال کو مد نظر رکھا جائے گا۔ اور صورت حال کا جائزہ لے کر عشر کے لزوم کا فتویٰ دیا جائے گا تاکہ کسی کو ضرر کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

---

[43]۔ محمد اَمین بن عمر شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ج2، ص55

Muḥammad Amin shāmi, Radulmuḥtar alā Durilmukhtar, Vol. 2, P 55